R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12 P

جلد ۲۵ - شمارہ ۴۶ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ دسمبر ۱۹۶۶ء

اداریہ

اردو کے ساتھ انصاف میں تاخیر کیوں؟

مشہور انگریزی اسٹیٹسمین نے حال ہی میں ایک اداریہ اردو پر لکھا ہے جس میں اس قومی زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ساتھ انصاف کا مطالبہ کیا ہے مگر یہ بھی رائے دی ہے کہ ایسے اہم مسئلے کو عام چناؤ سے پہلے لاکر چناؤ کا ایک مسئلہ بنانے سے بہتر یہ ہوگا کہ چناؤ کے بعد حکومت اس سلسلے میں کارروائی کرے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس اخبار نے نیک نیتی سے اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ اردو کا ہمدرد ہے اور چاہتا ہے کہ اردو کا مسئلہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے درمیان ایک فٹ بال نہ بنے مگر ہمیں اس کی رائے سے اختلاف ہے۔ جمہوریت میں چناؤ کے کیا معنی ہیں؟ چناؤ اس لیے ہوتا ہے کہ عوام ہر پارٹی کے قول و فعل کا جائزہ لیں جو برسر اقتدار پارٹیاں ہیں ان کی کارگزاری پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ اگر اس سے مطمئن ہیں تو اس کی حمایت کریں۔ اگر اس سے غیر مطمئن ہیں اور یہ بے اطمینانی مجموعی طور پر دوسرے معاملات میں کچھ کام کے باوجود ہے تو انھیں حق ہے کہ اس سیاسی پارٹی کی مخالفت کریں۔ اس طرح انھیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو مخالف پارٹیاں میدان میں ہیں ان کے اصول کیسے ہیں اور ان میں ان اصولوں پر چلنے کی کہاں تک صلاحیت ہے اور کیا ان اصولوں کی روشنی میں اور ان کی عملی صلاحیت کی روشنی میں ان کی حمایت مناسب ہوگی۔ اس طرح پانچ سال کے بعد قوم کو پورے ملک کے مسائل پر تنقیدی نظر ڈالنے کا موقع ملتا ہے اور اسی لیے چناؤ کے زمانے میں ہی برسر اقتدار پارٹی اور دوسری پارٹیوں کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا وقت ہوتا ہے۔

اب اردو کے سلسلے میں صورت حال کا مختصر طور پر جائزہ لیجیے۔ آزادی کے بعد سے اس قومی زبان کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے اور ان ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے اس کی تعلیم اور چلن میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ یہ بات اب کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہی۔ خود صدر کے نامزد کردہ بھی لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی چھٹی اور ساتویں رپورٹیں اس کا مکمل ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت اتر پردیش کی ہے۔ انجمن نے اور دوسرے اداروں نے ہر طرح احتجاج کر کے دیکھ لیا مگر اتر پردیش کے حاکموں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں صدر جمہوریہ کو اپنا وہ اختیار استعمال کرنا چاہیے جو دفعہ ۳۴۷ کی رو سے انھیں ملا ہے۔ ظاہر ہے صدر جمہوریہ اسی وقت یہ حکم جاری کریں گے جب مرکزی حکومت انھیں اس کا مشورہ دے گی۔ اگر مرکزی حکومت ایسا نہیں کرتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کا رہا سہا اعتماد بھی ختم ہو جائے گا اور اس طرح صرف ایسے عناصر کو تقویت ملے گی جو ملک میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں اور حکومت کی کمزوریوں کا حوالہ دے کر اپنی لیڈری کی دکان چمکانا چاہتے ہیں۔ ہمیں کسی سیاسی پارٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ملک میں جو سیکولر پارٹیاں ہیں ان میں سے سوائے کانگریس کے کسی کا امکان فی الحال حکومت بنانے کا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اردو کے مسئلے میں اگر کانگریس کوئی اچھا قدم اٹھانا چاہتی ہے تو وہ اردو دوستوں پر کوئی احسان نہیں کرتی۔ اسے تو یہ قدم بہت پہلے اٹھانا چاہیے تھا مگر اب بھی وقت ہے۔ الیکشن کے بعد تک اردو کے مسئلے پر اقدام کو ملتوی کرنے سے سوائے اس کے کہ لوگوں کو اور مایوسی ہو اور وہ اور بددلی کا شکار رہیں اور کچھ نتیجہ نہ نکلے گا کیونکہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ الیکشن کے بعد کانگریس لازمی طور پر اس سلسلے میں قدم اٹھائے گی اور مزید غفلت کا ثبوت نہ دے گی۔

اس لیے ہماری سوچی اور سمجھی ہوئی رائے یہ ہے کہ مرکزی حکومت کو فوراً صدر جمہوریہ کو مشورہ دینا چاہیے کہ وہ دفعہ ۳۴۷ کے مطابق اپنے اختیارات کا استعمال کریں اور اتر پردیش، بہار اور دہلی میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیں تاکہ اردو کی تعلیم و چلن کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو سکیں اور اردو جاننے والوں کو قومی اور سماجی زندگی میں اپنی پوری شخصیت کے اظہار کا پورا موقع مل سکے۔ انجمن اپنے مطالبے پر قائم ہے کہ جب تک اردو کو ان ریاستوں میں سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا اس وقت تک اردو دوستوں کی شکایت دور نہیں ہوگی اور اردو کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔ اسی لیے انجمن کا ایک وفد صدر انجمن کی قیادت میں دو تین روز کے اندر وزیر اعظم سے ملنے والا ہے تاکہ ان کو اردو دوستوں کے جذبات سے پوری آگاہی ہو جائے اور وہ اس مسئلے میں جلد سے جلد ضروری قدم اٹھا سکیں۔ توقع ہے کہ ہم جلد ہی وزیر اعظم سے بات چیت کی روشنی میں حکومت کے اقدامات کے متعلق کچھ کہہ سکیں گے۔

اردو اور مرہٹی کی ڈکشنری شائع ہوگئی

بمبئی۔۲۴ر نومبر۔ ادب اور ثقافت کی ترویج و ترقی اور مرہٹی ادب میں ملکی اور غیر ملکی زبانوں کے تراجم شائع کرنے کے لیے حکومت مہاراشٹر نے یکم مئی ۱۹۶۰ء میں ادب اور ثقافت کے متعلق ایک بورڈ قائم کیا تھا اس بورڈ کی اب تک کی کارگزاری، اس کی سرگرمیوں اور مستقبل میں اس کے پروگراموں کی وضاحت کرنے کے لیے آج بورڈ کے چیرمین مسٹر کے من شاستری جوشی نے ایک پریس کانفرنس میں تفصیلات بیان کی تھیں۔

مسٹر جوشی نے اپنے طویل اور تفصیلی بیان میں بورڈ کی کارگزاری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا اس کی طرف سے ایک اردو، مرہٹی اور مرہٹی اردو کی ڈکشنری شائع کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کنڑی، گجراتی اور بنگالی کی ڈکشنریاں بھی تیار کی گئی ہیں۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا نیا ایڈیشن

لندن، پرگیمان پریس نے حال ہی میں چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا نیا (چوتھا) ایڈیشن نکالا ہے جسے برطانیہ کے وزیر تعلیم و سائنس مسٹر اینتھنی کراس لینڈ نے تعلیمی کتابوں کی اشاعت کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ قرار دیا ہے۔

یہ انسائیکلوپیڈیا پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پبلشروں نے گزشتہ چھ برسوں کے دوران میں اس کی تیاری پر دس لاکھ پونڈ سے زائد رقم صرف کی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ دنیا میں سب سے مستند انسائیکلوپیڈیا ہے۔

پرگیمان پریس ہر سال ایک سپلیمنٹ بھی شائع کرے گا جو پانچ سال تک خریداروں کو مہیا کیا جائے گا۔ نئے ایڈیشن کا اجرا پچھلے دنوں لندن میں ایک خاص تقریب میں کیا گیا جس میں سیاسیات، تعلیم، سول سروس، سائنس، انجینیرنگ، انڈسٹری اور تجارت کی نمائندگی کرنے والے تقریباً تین سو ممتاز اشخاص کو مدعو کیا گیا تھا۔ (سنگم، پٹنہ)

یونیسکو کی طرف سے پانچواں انعامی مقابلہ

یونیسکو کی طرف سے نوخواندوں کے لیے لکھی گئی کتابوں کے پانچویں انعامی مقابلے میں بہترین کتابوں پر ان کے مصنفین کو انعام دیے جائیں گے۔ انعاموں کی تعداد سولہ ہے اور ہر انعام کی مالیت ۷۵۰ روپے ہے۔ زبانوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

تین انعام ہندی کے لیے اور ایک ایک باقی دوسری ہندوستانی زبانوں آسامی، بنگالی، گجراتی، کنڑ، کشمیری، ملیالم، مراٹھی، اڑیہ، پنجابی، سندھی، تامل، تلگو اور اردو کے لیے اس مقابلے میں یکم جنوری ۱۹۶۵ء اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۶ء کے درمیان چھپی کتابیں بھیجی جائیں۔ مسودات قبول نہ کیے جائیں گے۔

کتابیں مع انٹری فیس (دس روپے فی کتاب) موصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۰ر اپریل ۱۹۶۷ء ہے۔ مزید تفصیلات وزارت تعلیم حکومت ہند ویسٹ بلاک ایس۔ اے۔ یو II کمرہ نمبر ۹۳ ایم بلاک نئی دہلی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

عادل منصوری کے گجراتی دیوان کی اشاعت

عادل منصوری کا نیا گجراتی مجموعہ "پنگ روڈ" کے نام سے سواتی پرکاشن (۲۷۹ سیموئل سٹریٹ بمبئی ۳) کی جانب سے شائع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے ۹×۶ کی سائز میں آرٹ پیپر پر شائع ہوا ہے۔

نیشنل بک فیر

عروس البلاد بمبئی میں نیشنل بک ٹرسٹ نے کتابوں کے میلے کا اہتمام کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ شاخ بمبئی نے بھی اس میلہ میں شرکت کی اور ایک گوشہ اردو قائم کیا۔ نیشنل بک ٹرسٹ کی نمائش میں شعراء اور ادبا نے بھی اردو کے تعلق سے جامعہ اور کلچرل پروگرام میں خاص دلچسپی لی۔ (مومن یوسف حسن، بھیونڈی)

اردو ہندی اور جدید زبانوں کے لیے ۵ کروڑ ۸۵ لاکھ روپیہ خرچ کیا جائے گا

نئی دہلی۔ ۲۶ر نومبر۔ چوتھے منصوبے کے دوران جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی پر کل ۵ کروڑ ۸۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

اس رقم میں مرکز کا حصہ ایک کروڑ اور ریاستوں کا ۴ کروڑ ۸۵ لاکھ ہوگا۔ یہ بات بھارتیہ بھاشا سمیتی کے اجلاس کو ایک سرکاری دستاویز میں بتائی گئی۔

اہم ترین تجویز یہ ہے کہ جدید ہندوستانی زبانوں کے لیے جن میں اردو بھی شامل ہے مرکز میں ایک مرکزی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوگا اور ریاستوں میں ریاستی انسٹی ٹیوٹ قائم ہوں گے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

اردو کے سن رسیدہ مصنف کا انتقال

لکھنؤ۔ ۲۶ر نومبر۔ اردو کے ایک معمر مصنف اور اردو رزمیہ کے پہلے مرتب منشی منظور علی علوی کا گوردی ۷۰ سال کی عمر میں چاٹگام (مشرقی پاکستان) میں گزشتہ اتوار کو انتقال ہوگیا۔ یہ اطلاع آج یہاں موصول ہوئی ہے۔

علوی صاحب نے آج سے ۴۵ سال قبل مراثی میر انیس کو مسلسل واقعات کربلا کے طور پر ایک ہی بحر کے متعدد مرثیوں سے بہ ترتیب واقعات مرتب کیا تھا جو اسی زمانے میں شائع ہوئی تھی۔ مرحوم علوی صاحب اس کے علاوہ دوسری کئی اردو کتابوں کے مصنف تھے اور علم ہیئت اور نجوم کے ماہر مانے جاتے تھے۔ شہر لکھنؤ میں رمضان کے اوقات افطار و سحر کے نقشے علوی صاحب ہی کی منظوری کے بعد شائع ہوتے تھے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

محمد انصار اللہ

مفتاح السرور عادل شاہی

بہمنی سلطنت نے دکن میں علم و ادب کو جس طرح ترقی دی مشہور و معلوم ہے بیجاپور میں ان کے وارث سلاطین عادل شاہی نے اس روایت کو آگے بڑھایا اس خاندان کا پہلا بادشاہ یوسف عادل شاہ تھا اس کے متعلق مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم لکھتے ہیں۔

"وہ تمام اوصاف ایک بڑی حد تک اس میں موجود تھے جو ایک بانی خاندان حکومت کے لیے درکار ہیں وہ نہایت درجہ بارعب، عالی ظرف، حلیم الطبع، جری، معدلت پسند، نیک نفس تھا خوش نویس بھی تھا شاعری تو اس سوسائٹی میں لازمی چیز تھی موسیقی میں بھی کمال تھا۔۔۔ ارباب کمال کا قدردان تھا دور دور سے اہل کمال طلب کیے اور ان کو نہایت قدر و منزلت سے رکھا" (عہد سلف ص۔)

علم دوستی اس کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ تھی چنانچہ زیر نظر مخطوطہ کا مولف بھی اس کے دربار تک اسی وسیلہ سے پہنچا اپنے حالات اس نے خود اس طرح بیان کیے ہیں۔

"بدان اسعدک اللہ تعالیٰ کہ از کرم بندگی خدا یگان عالمی (کذا) نژاد و تخت نشینان دارالخلافت حضرت بادشاہ آبادست۔۔۔ دخلعت من سلطنت ترنہاد در سایہ دولت و کنف رافت آں دودمان و (لا) از طبجاء عالمیان بخوشی و خورمی می گزرانند و ہرگز در مدت سلطنت ایشاں اندیشہ انتقال و ارتحال در ضمیر خیال او پید انگشتہ و ہمای ہمی متفردا منگیر نیامدہ کہ از وطن مالوف توجہ بجتی از جہات خواہد۔۔۔۔۔ تا دریں فطرت و اضطراب حرکت مالوف کہ از حوادث روزگار بازیہای چرخ مکار ظلم و تعدی کفرہ نابکار برسکنہ و والی آں دیار از حد گزشت و مسلمانان از وضیع و شریف ولایت و قطعہ و شہر بند وامیر ایشاں گشتند بحکم الجواہر مالا یطاق و دوامی ہمت و بواعث (کذا) ہمت ایں غریب را براں داشت کہ عزم خروج از میان اہل قوم یاجوج و ماجوج ہرچند از دور جزم باید کرد و بہ حکم من بخار اللہ نقد رنج غربت باید شمرد و با ہر یک از دوستان و عزیزان وسنا ذواں بر در بحر عاد رہم و ارد و ہم شورت میکرد و اشتغلو میکرد کہ بکدام طرف روی آورد و در سایہ دولت کدام بادشاہ آنجا نماید ہر یک زبان و کیدل جوابی گفتند کہ امروز در ربع مسکون ہیچ درگاہی و ملجائی، بادا کا غربا و اہل علم و ہنر ماجوں درگاہ عالی جاہ حضرت سلطان السلاطین ظہیر ان

---

۱ عادل شاہی خاندان کے آخری بادشاہ کو شاہجہاں کے دربار سے خطاب شاہی عطا ہوا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اپنے علاقہ میں یوسف عادل شاہ بھی بادشاہ کہلاتا تھا۔　　　(عہد سلف)

(کذا) خالسلطین غیاث الاسلام والمسلمین اعداد الملوک والرحیم فی العالمین ثانی الارضین ناصر الاولیا و قاہر الاعداء و تاج الدولت والسلطنت الدنیا والدین ابو المجاہد عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی کافۃ العالمین برہ و احسانہ محسوس شاہ میشود" (مفتاح السرور عادل شاہی بسبب تالیف)

اس میں شک نہیں کہ بہمنی دور دکن میں نسبتاً بہت امن سکون کا گزرا ہے البتہ آخر زمانے میں حالات بہت بگڑ چکے تھے آخری بادشاہ کے متعلق مولوی محمد مرتضیٰ مرحوم کے الفاظ یہ ہیں۔

"اب بہمنی سلطنت ختم ہو گئی تخت فیروزہ پر بیٹھنے والے ویسے ہی بے بس ہوتے تھے جیسے بغداد و مصر کے خلفاء عباسیہ آخر کلیم اللہ بہمنی نے بابر کے زمانے میں بیدر سے بھاگ کر احمد نگر میں پناہ ڈھونڈی لیکن زمین اس کے لیے تنگ ہو رہی تھی آخر ۹۴۲ھ میں زمین اس کے وجود سے خالی ہوئی یا خالی کر دی گئی اس کی لاش بیدر میں لا کر دفن کی گئی" (عہد سلف ص۔)

"یوسف عادل خاں (جو بعد میں یوسف عادل شاہ کے نام سے مشہور ہوا) جو محمود گاواں کا دست گرفتہ اور بہمنی تھا ترک (مغل پردیسی) پارٹی کا لیڈر رہا اور اس نے دربار میں اپنی مخالف پارٹی کا اثر غالب پا کر حفاظت خود اختیاری کے طور پر بجز اس کے کوئی اور صورت نہیں پائی کہ بیجاپور کے دور مقام پر بیٹھ کر دربار کے اثر سے نکل جائے اس طرح ایک نکڑا علیحدہ ہو گیا" (عہد سلف ص۔)

ان اقتباسات سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ آخر دور میں رعایا سے گزر کر خود بہمنی خاندان کے بادشاہوں تک کو چین نصیب نہ تھا اس افراتفری کے عالم میں تمام شرفا اور امرا حفاظت خود اختیاری میں مصروف تھے یوسف عادل خاں نے دور اندیشی سے کام لیا اور بہت جلد اپنا علاقہ الگ کر لیا۔ بہمنی دار السلطنت (گلبرگہ) سے اکثر لوگ عادل شاہ کے علاقے میں پناہ لینے کے لیے پہنچنے لگے اس کی ریاست اس کی خوش انتظامی کے سبب کافی مشہور ہو گئی چنانچہ مولف "مفتاح السرور عادل شاہی" کے مذکورہ بیان سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔ مولف نے بھی وہیں کا قصد کیا۔

"متوکلاً علی اللہ کمر خدمت بر میان جان بستہ متوجہ حضیر و بیجاپور (کذا) درگاہ کہ قبلہ حاجات عالمیان است گشت و بعد قطع مراحل و حسن تدبیر و استخلاص اہل عیال و اطفال از آں در طلبہ اہل وز تاریخ غرہ ماہ محرم الحرام ۲۲ ۹ھ اثنین و عشرین و تسعمائۃ الہجریہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و کمال التحیات بمحروسہ بیجاپور رسید۔۔۔ فرحا و مسرورا و صحت عن الحوادث والشرور رسید الحق شہری دید نمونہ خلد و جناں ملک رشک روضۂ رضواں، ہزاراں ہزار تاسف و نالہ بر تضییع عمر و بیہودہ سالہا از دل حزین و خاطر غمگین بر آمد"

یہ وقت تھا کہ یوسف عادل شاہ اپنی ریاست کو مستحکم کرنے میں مصروف تھا۔

"یوسف عادل کا یہی زمانہ تھا جب کہ پرتگالیوں نے گوا پر بھی حملہ

کی (۱۵۱۰ء) اور اس پر قبضہ بھی کر لیا۔ پرتگالیوں نے گودا میں وہ مظالم کیے جنکی نظیر تاریخ ہند میں نہیں ملتی اگرچہ یوسف عادل شاہ نے گودا پھر واپس لے لیا لیکن اس کی واپسی کے بعد پرتگالیوں نے تھانہ دار کو رشوت دیکر پھر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور یوسف کے مرنے کے بعد... گودا اسلامی اقتدار سے خارج اور پہلی مغربی آنے والی قوم کی حکومت میں تسلیم کر لیا گیا" (عہد سلف ص۸۳)

اس سلسلے کی جنگی مصروفیتوں کا ذکر مولف نے اس طرح کیا ہے

"وچوں بندگی حضرت سلیمانی ظل سبحانی از دار الخلافت بیجا پور شمال و سرزاد اول بعضی سفینہ ان دشمن برباں در تراز داد ن ولایت خاص نصفت و کیفیت فرمودہ بودند با خود اندیشہ کر توبہ لشکر منصور بتی تحفہ وسیلہ نمود ندحل بز بخودی وعدم کیاست خواہد افتاد و چہ ارباب بصیرت و اصحاب مسرت روشن و مبرہن است کہ اہل عمل و ہنر بادر حضرت ملوک و سلاطین از سیر جستن چارہ نباشد ہر چند عدہ و عدہ رسیدہ باشد و چوں سرمایہ ایں غریب علم طلب است کہ حق تعالیٰ ارزانی فرمودہ مدت مدید خلاصہ عمر اوقات در تحصیل آں صرف نمودہ خواست کہ تا ہنگام مراجعت رایات ظفر آیات کتابی در حفظ صحت کہ مطلوب و مقصود بالذات ایں علم است و بیان خواص ادویہ و اغذیہ مرکب و میوہ ہا ی و در معرفت سموم و پازہرہا از قول حکما متقدمہ و متاخرہ و آنچناں استادان خویش دیدہ و شنیدہ جمع آوردہ ترتیب دہد و پیش پای تخت فلک مدار بگذراند تا عالمیان را از مطالعہ ان انتفاع کلی حاصل شود و بصیت ماثرہ و محامد بادشاہ اسلام تا انقراض عالم باقی ماند لیکن چوں دید کہ آرا فرصتی در ایام فراغتی تمام می باید تا باتمام رسد حالیا عجالۃ الوقت رسالہ دیگر در قوت باہ و آنچہ بداں تعلق دارد از کتب حکما ہندو روم و دیگر اہل تجارت جمع نمودہ و دیباچہ آنرا بنام ہمایوں حضرت سلیمانی موشح و مرشح گردانید تا بداں وسیلہ خود را در سلک دیگر خدام منخرط (کذا) گرداند و جاگیری و خدمت خویش مجری آورد و ایں کتاب را بمقدمہ و سہ مقالہ و خاتمہ ثبت داد و مفتاح السرور عادل شاہی نام نہاد امید کہ بعز لطف خواہد منظور و مقبول گردد انشاء اللہ تعالیٰ"

اس طرح کتاب کی وجہ تالیف کے علاوہ خود بادشاہ کی علم دوستی کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ تصانیف بھی اس کے دربار تک رسائی کا ذریعہ تھیں حق یہ ہے کہ ایسے ہی علم دوست حاکم وقت کے عہد میں علم و فن کی وہ ترقی ممکن تھی کہ جو ہوئی۔

مولف نے بادشاہ کا نام صرف "عادل شاہ" لکھا ہے حالانکہ اس خاندان کے سبھی بادشاہوں کے ناموں میں یہ جز شامل ہے اس کا سبب یہ ہے کہ "یوسف عادل شاہ" پہلا بادشاہ تھا اور وہ عام طور پر "عادل شاہ" کے نام سے بھی متعارف تھا چنانچہ تاریخ فرشتہ میں بھی ہے۔

"بعہد و شرط وفا کردہ بحوالی سلطنت عادل شاہیہ مزاحمت و تشویش نمی رسانند"

البتہ مابعد کے کسی بادشاہ کا ذکر ہوتا تو اس کا پورا نام لکھنا ضروری تھا۔ کتاب "مفتاح السرور عادل شاہی" ۵ × ۸ انچ سائز پر نہایت خوشخط اور صاف لکھی ہوئی ہے، ضخامت ۲۳ ورق (ہر ورق پر اعداد و شمار تحریر ہیں) کاغذ بہت نفیس ہے کہیں کہیں کرم خوردگی کے آثار ہیں، ترقیمہ یہ ہے۔

"تمام شد کتاب کتاب مفتاح السرور عادل شاہی بتاریخ چہارم شہر رجب ۱۰۰۰ ہزار ہجری در دار السرور برہانپور دانا الراقم الآثم ابن محمد قاسم محمد کاظم خفر ذنوبہ دست عبدہ الحمد للہ علی الاتمام و الصلوٰۃ علیٰ خیر الانام محمد و آلہ البررۃ الکرام ..."

اگرچہ اس کی کہیں تصریح نہیں کی گئی ہے نسخہ کا کاتب مولف کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ حکیم قاسم اس علاقہ کے سرکاری اطبا میں تھا البتہ ابراہیم عادل شاہ اول کے زمانے میں جب حالات بگڑے تو وہ احمد نگر چلا گیا تھا۔ یہ بادشاہ نہایت جلد باز اور ناعاقبت اندیش تھا مولوی محمد مرتضیٰ لکھتے ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ مرض الموت میں بھی اس نے بہت سے اطبا مروا ڈالے حکیم ملک چھوڑ کر بھاگ گئے دوا فروشوں نے پیشہ چھوڑ دیا" (عہد سلف ص۸۴)

احمد نگر کے حاکم برہان نظام شاہ کے یہاں حکیم قاسم نے ملازمت حاصل کر لی لیکن وہاں شاہ طاہر کے زمانے میں ان کا رسوخ کسی قدر کم ہو گیا تھا۔

"شہزادہ عبد القادر تپ محرقہ سے سخت بیمار ہو گیا قاسم بیگ حکیم سرکاری اور دیگر اطبا مسلمان اور ہندو علاج سے عاجز آ گئے تھے حتیٰ کہ پنڈتوں سے مندروں میں کار برآری کی دعائیں ہونے لگیں ایسے وقت میں شاہ طاہر نے اپنے اثر سے مذہب اثنا عشری قبول کروا لیا" (عہد سلف ص۱۰۱)

طاہر کے بعد برہان شاہ کے پاس قاسم بیگ حکیم اور گوپال راؤ کا رسوخ بڑھا... ۹۶۱ھ میں برہان نظام شاہ مر گیا... باپ کے مرتے ہی بیٹوں میں نزاع برپا ہوئی قاسم بیگ حکیم حسین کا طرفدار تھا اور اسی کی تائید سے حسین تخت نشین ہوا" (ایضاً ص۱۰۱)

اس طرح حکیم قاسم کو حسین نظام شاہ کے زمانے میں عروج حاصل ہوا مرتضیٰ نظام شاہ کی ماں کے زمانے میں بھی "ملا عنایت اللہ پیشوا اور حکیم قاسم بیگ کے استصواب سے تمام کاروبار چلتے تھے (ایضاً ص۱۰۱)

لیکن جلد ہی زمانہ بدلا اور انہیں احمد نگر چھوڑنا پڑا۔

"قاسم بیگ گجرات چلا گیا کہا جاتا ہے کہ اس نے چلتے ہوئے اپنی عمر بھر کی کمائی شاہ رفیع الدین فرزند شاہ طاہر کے پاس امانت رکھوا دی تھی گجرات پہنچ کر واپس طلب کی لیکن ایک (باقی صفحہ پر)

غزلیں

عتیق حقی

منزل ادھر نہیں ہے وہ آگ جدھر ہجوم ویران راستوں پہ مرے ساتھ ساتھ گھوم
سنتے ہیں خون خون کا بدلہ ہے جان من پھر تو بھی انتقام لے آ بڑھ کے مجھ کو چوم
میرے لبوں سے تیرے لبوں نے کہا تھا کیا کیا بات تھی کہ سارے بدن میں مچی ہے دھوم
باد بہار کا مجھے دھوکا نہ دے سکی آئی تھی تیری زلف سے ہوتی ہوئی سموم
سننے کی زد میں اب تو ہے دھرتی بھی چیخ رہی وہ دیکھ بند ہو گئے بھی اشتہین اوم
چھوڑیں یہ دیکھا میرے خواب وجود کا جن کو ملی نگار گہہ عرصۂ نجوم

سعادت نظیر

نہ ڈر اے دل بلائے ناگہاں سے گزرنا ہے تجھے ہر امتحاں سے
قفس ہے اور تنہائی ہے میں ہوں صبا کہنا یہ اہل گلستاں سے
سنائیں خیر اب گلچیں و صیاد اٹھے شعلے وہ شاخ گلستاں سے
محبت ہی متاع زندگی ہے یہ آواز آتی ہے کون و مکاں سے
فسانہ در فسانہ بن گئی ہے کبھی جو بات نکلی تھی زباں سے
جو اپنے تھے وہی اب ہیں پرائے تو پھر شکوہ ہی کیا اہل جہاں سے
کہیں بے درد کیوں ایسے کو ہاے دل جو واقف ہی نہ ہو سوز نہاں سے
اسی سے عشق کے ہنگامے اٹھے چلی جو بات تیری داستاں سے
تمہارا دل بہت مسرور ہوتا اگر سنتے نظیر خوش بیاں سے

رئیس مینائی

عارض کی دھنک پہ تری زلفوں کا گھیرا سا آیا امروز کے چہرے پہ اب بھی ماضی کا دھندلکا چھایا ہے
اب کم کم فزونہ یا تنہائی کا ہر احساس مٹا جیون کی اکیلی راہوں میں جب بھی تو تمہارا آیا ہے
اے حسن گریزاں تیرے لیے اک عمر گنوائی در در کر کانٹوں سے دامن بھر پایا دنیا بھر کو بھی ہم نے چاہا ہے
یہ بات ابھی کچھ دن ہی کی ہے جب ساتھ کسی کا رہتا تھا
اب دھیان کی گم سم گلیوں میں اک نام کسی کا رہتا ہے

رمز آفاقی

خوشا کرم کہ وہ ارباب جاں سے دور نہیں کسی کے بھی تو دل ناتواں سے دور نہیں
ابھی حیات کو سو رنگ بخشتا ہوں گے ابھی حیات کا پہلو فغاں سے دور نہیں
تم اہل میکدۂ عشق کی کرو تعظیم یہ لوگ محفل روحانیاں سے دور نہیں
نفس نفس پہ در ناز کا تصور ہے نیاز مند ترے آستاں سے دور نہیں
نہیں گے فرش مری راہ کا مہ و انجم وہ دن بھی اب مری کجی جواں سے دور نہیں
نہیں کوئی رسن و دار تک ہمیں پہنچائے وہ بزم ناز سنا ہے وہاں سے دور نہیں
بلندیوں میں بھی پہلو خرابیوں کا ہے ہم اس زمیں پہ بھی آسماں سے دور نہیں
تری تلاش میں یہ سوچتا ہے جنون کفر کہاں سے دور ہے منزل کہاں دور نہیں
مچلتا دیکھ کے وہ آن کا رمز دل کے قریب
یہ کہنا پڑتا ہے برق آشیاں سے دور نہیں

کرن

پورن کمار ہوش

ہمارے جسم ہیں ننگے کران پہ کھا کے ترس
لباس تم انہیں ورد یا ولی کے پہنا دو
ہمارے پیٹ ہیں خالی کران کی خاطر تم
ملازمت کے بہانے سے رزق بھی بخشو
اسی لیے ہے ہمار نفس نفس بیمار
کہ تم دوا کے لیے اسپتال بنوا دو
ہمارے بچے تمہارے کرم کے گن گائیں
یہ تم پہ فرض ہے اسکول کوئی کھلوا دو
ہمارے ذہن پراگندہ ہوں نہ حق کے لیے
کوئی ہون یا کوئی کیرتن ہی کروا دو

ہوا ہے تم سے جو سرزد وہ ہے بہر صورت
ہر ایک فعل ہمارے مفاد کا ضامن
ہماری زندگی تم کو دلوں سے پیاری ہے
یہی سرور ہمارے دلوں پہ طاری ہے
تم اپنے شہر کے بے جوڑ دان ویر کرن
ہم اس لیے ہیں کہ قائم رہے تمہارا بھرم

زیست اور گیت

واحد علی بانگے

زیست!
طوفان کی لہروں میں
جواں عزم کی ناؤ
زیست!
تخلیق کی آنکھوں سے
ٹپکتے ہوئے اشک
ڈوبتی رات کے
ماتھے پہ سحر کی تنویر
گیت!
دکھ کے ساگر میں ابھرتا ہوا جیسا
سینۂ بحر میں سوئی ہوئی سیپ
روح تخلیق لیے
رقص گرداب میں صدیم مسرت کی کرن
درد کے تند بگولوں میں
یہ جلتا ہوا دیپ!

(باقی صفحہ ۳ سے آگے)

یعنی بھی اندر مزاجی اس غم کے مارے وہ مرگیا" (عہد سلطنت)

مولف نے آدمی کی عمر طبیعی ایک سو بیس سال بتائی ہے۔

"...... تا مدت حیات عیش و خوشی بگذرانند...... و تنہا اندر تن
ایشاں بہ عمر طبیعی کہ صد و بیست سال است بقول حکمائی آخرین
وفا کنند" (مفتاح السرور عادل شاہی مقدمہ)

۲۲ء میں وہ اپنی عمر ۷۰ سال بتاتا ہے اس لحاظ سے اس نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔

کتاب مفتاح السرور عادل شاہی جیسا کہ مقدمہ کے اقتباسات بالا سے ظاہر ہے علم طب میں ہے کتاب کی زبان بھی فارسی ہے لیکن اس میں ہندوستانی یا اردو کے الفاظ اور مصطلحات کافی تعداد میں ملتے ہیں۔ بلکہ مولف چونکہ کتاب اہل ہند کے لیے لکھ رہا تھا اس لیے اس نے اس کا التزام کیا ہے کہ الفاظ اور اصطلاحیں ایسے ہی لکھے ہیں جو اہل ہند کے لیے قریب الفہم اور ان کے محاورے کے زیادہ مطابق تھے، بلکہ بیشتر "و بہ ہندوی" مترادفات بھی لکھا گیا ہے مثلاً:

"خراطین کہ بہ ہندوی کیچوہ گویند"

"زرو نبی زلوچہ آبی کہ آنرا در ہندوی جونک گویند"

"ابتدای در آمدن آفتاب در برج حمل است کہ اصحابی
آنرا بہ ہندوی بیکھ راس گویند"

"ہر شکل را بہ ہندوی نامی نہادہ اند"

اس سلسلے کے تمام الفاظ اگر یکجا کر لیے جائیں تو لسانیاتی نقطہ نظر سے ان سے دوررس نتائج برآمد ہوسکتے ہیں یوں اردو کے طالب علم کے لیے بھی یہ کتاب دلچسپی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

مقالہ دوم میں پہلی فصل یہ ہے۔

"فصل اول۔ در معرفت ادویہ با جبہا سامی آں بلغت اہل ہند"

مولف نے یہ فصل اس نظریہ سے قائم کی ہے کہ اہل ہند بھی علم طب سے بہ آسانی واقف ہوسکیں چنانچہ لکھتا ہے:

"باید دانست بر حکمائے متقدم و اطبا بہر منفعت و خاصیت ہر
دوا از آنچہ ایشاں را بروزگار دراز تجربہ معلوم گشتہ بود جملہ
در کتب طبی و حکمت بیان نمودہ اند... چہ مقصود ما در این کتاب
ذکر ادویہ باہ است و لا عرمیش زہ مجموعہ ادویہ مفردہ را کہ
در محرک و قوت باہ اندرین فصل یاد کنم و اسامی ہر یک بزبان
ہندوی آنچہ یافتہ می شود و در تحت آں بنویسم و ہمچنین در آخر
فصل ذکر ترکیب مشہورہ مستعمل طریق اجمالی بیاورم تا طالب
را اطلاع کلی بداں حاصل شود و آساں فواید یافت و کسی کہ
ذات او کامل بود زیادہ کامل گردد و اگر نادان باشد کامل
خواہد شد و کسی کہ حکمت ندانستہ باشد چوں این عمل بدست
دید حکیم خواہد شد"

اس فہرست میں اس نے کئی ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا وہ خود عام طور پر استعمال نہیں کرتا مثلاً شلجم اور نارجیل وغیرہ پوری کتاب میں ان کی جگہ مولف نے ہر جگہ شلغم اور نارگیل الفاظ تحریر کیے ہیں۔ یہاں یہ ایک اہم نکتہ ہے کہ ہر ترقی پذیر اور زندہ قوم علوم و فنون کو اپنانے کی کوشش کرتی ہے وہ زمانہ تھا کہ قوم سربلند اور خود شناس تھی وہ اہل روم اور اہل یونان سے بھی علم طب کو اپنی زبان اور اپنے محاورات میں اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لینے کے لیے کوشاں تھے، اس حقیقت پر مندرجہ بالا اقتباس بھی شاہد ہے افسوس ہے کہ آج ہم لکیر کے فقیر ہو کر رہ گئے ہیں کہ ادنیٰ تغیر بھی گوارا نہیں آج بھی جب کہ اردو زبان میں تمام تر وسعت پیدا ہو چکی ہے طب کو اردو میں منتقل کرنے کی کوئی تحریک معلوم نہیں ہوتی نسخے بھی فارسی ہی میں لکھے جاتے ہیں درانحالیکہ اب ہم فارسی زبان تو بڑی بات ہے فارسی رسم الخط سے بھی ایک حد تک دور ہوتے جا رہے ہیں۔

مولف نے دیباچہ میں کہا ہے کہ وہ حکماء ہند و روم کے طریقوں سے اس کتاب کی ترتیب دے گا لیکن فی الحقیقت اس نے اہل یونان سے بھی اس کتاب کے لیے استفادہ کیا ہے چنانچہ لکھتا ہے

"ادویہ مفردہ کہ نزدیک حکماء یونان تعلق بایں عمل دارند"

اہل ہند میں بھی اس نے حکماء ہی کے اصولوں سے ہی استفادہ نہیں کیا بلکہ حسب ضرورت اس نے جوگیوں کے طریقوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً یہ اقتباس

"و ایں کہ بعضی از جہال اطبا و جوگیاں میگویند......"

ان وجوہ سے وہ ضرورتاً ہندوستانی الفاظ اور مصطلحات کا بھی کافی استعمال کرتا ہے اس کی کتاب سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس عہد میں اطبا "خذ ما صفا" کے اصول پر بخوبی کاربند تھے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے کسی ایک خط یا انداز فکر پر تکیہ نہیں کر لیا، افسوس ہے کہ آج کے اطبا کا حال اس کے برعکس ہے جو اپنے قدیم سرمائے سے ایک حد تک بے بہرہ ہیں اور دوسرے مقامات کے طریقہ علاج سے استفادہ کرنا معیوب جانتے ہیں طب کی مقبولیت میں کمی اور کامیابی میں دشواریوں کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے۔

مفتاح السرور عادل شاہی کے مطالعہ سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اہل روم سے اس حد تک تعلق کا اثر زبان پر بھی ضرور ہوا ہوگا اور چونکہ تعلق کافی عرصے تک رہا ہے زبان کے ارتقا کا لسانیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہوئے اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس کتاب کی اہمیت جنسیات کے مطالعہ کے سلسلے میں بھی بہت ہے کیونکہ اس سے اتنے قدیم دور کے نظریات کا پتا چلتا ہے۔ انسانی جسم کی ساخت اور مختلف اعضا کے افعال کا تذکرہ بھی مولف نے خاص تفصیل سے کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے بھی کتاب بہت اہم ہے۔ غرض اپنی گوناگوں خصوصیات کے پیش نظر یہ مخطوطہ نہایت قابل قدر ہے خصوصاً طبی نقطۂ نظر سے اس کی اشاعت نہایت مفید ہوگی یہی خیال اس کے ان سطور میں تعارف کرانے کا محرک ہوا۔

ہماری زبان
کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

سید فضل المتین

داغ کے تین شاگرد

۱۔ عبدالرحیم خاں ۔ رحیم

حالات و تلمذ

مولینا خواجہ حسنی اجمیریؒ اپنی بیاض یادداشت[1] میں تحریر فرماتے ہیں:

"محمد عبدالرحیم خاں، رحیم، پٹنہ (عظیم آباد) کے رہنے والے تھے بسلسلۂ ملازمت (اکونٹنٹ اگزمنر آفس اجمیر) ایک عرصہ تک اجمیر میں مقیم رہے۔ اپنے سسرال (ٹونک) میں انتقال کیا۔"

اور گلشن داغ[2] اگست ۱۸۹۰ء میں تحریر ہے:

"جناب محمد عبدالرحیم خاں صاحب رحیم عظیم آبادی اکونٹنٹ اگزمنرس آفس، اجمیر تلمیذ خدائے سخن حضرت داغ دہلوی مدظلہ"

نیز پیام یار جنوری ۱۸۸۹ء میں لکھا ہے۔

"جناب محمد عبدالرحیم خاں صاحب رحیم عظیم آبادی، حال وارد اجمیر شاگرد جناب داغ"

نمونۂ کلام

مرا مقتل میں کچھ آئے خدا کے واسطے ظالم
گلے پر پھیرنا خنجر کی دھار آہستہ آہستہ
بلا کی نازکی کم میں ہے از حد ناتواں ہیں ہوں
نگاہِ ناز سے ہو مجھ پہ وار آہستہ آہستہ
فرشتے ان کے مجبر ہیں وہ آ کر سن ہی لیتے ہیں
کروں میں دل سے بات اپنے ہزار آہستہ آہستہ

پیام یار ۔۔ جنوری ۱۸۸۹ء

وعدۂ وصل پہ تسکین تو کیا دیتے ہیں
ایسی کچھ کہتے ہیں وہ ہوش اوڑا دیتے ہیں
اب وہ تعظیم میری حد سے سوا لیتے ہیں
غیر بیٹھا ہو تو محفل سے اوٹھا دیتے ہیں
کیا عنایت ستم آمیز ہے اون کی دیکھو
غیر کی مہر میرے خط پہ لگا دیتے ہیں
یہ نہیں ہیں کہ وہ لاتے ہیں ذرا خاطر میں
ایسے ویسے کو تو باتوں میں اوڑا دیتے ہیں

اپنے مطلب کی تو سن لیتے ہیں دل سے باتیں
میرے مطلب کی جو ہو صاف اوڑا دیتے ہیں

تم تو ایسے ہو کہ ہنستوں کو رلا دیتے ہو
ہم تو ایسے ہیں کہ روتوں کو ہنسا دیتے ہیں

اپنی تقصیر پہ کیونکر نہ میں ہو جاؤں نثار
وہ مجھے اپنے ہی ہاتھوں سے سزا دیتے ہیں

کیا کہوں اونکا کچھ انداز بیاں ایسا ہے
جھوٹ بھی ہو تو اوسے سچ وہ بنا دیتے ہیں

میں نے جب پوچھا کہ دل کس نے لیا تو یہ کہا
لینے والے بھی کہیں صاف بتا دیتے ہیں

منزل عشق میں کھٹکے ہیں ہزاروں اے دل
اونچ نیچ اس میں بہت سے ہی بتا دیتے ہیں

کھل چلی ہے وہ زباں اون کی ابھی تو یہ
ایک اگر کوئی کہے سو وہ سنا دیتے ہیں

لطف کے پردے میں کرتے ہیں ستم وہ پنہاں
گدگداتے ہیں یہاں تک کہ رلا دیتے ہیں

حال دل اپنا کہے کوئی تو کیونکر اون سے
یہ ستم ہے وہ اوسے جھوٹ بنا دیتے ہیں

خاک میں اون سے کہوں حال پریشاں اپنا
دل لگی میں وہ میری بات اوڑا دیتے ہیں

صاف کہتا ہی نہیں حال وہاں کا آکر
نامہ بر کو وہ سبق ایسا پڑھا دیتے ہیں

نامۂ شوق مرا کھول کے پڑھتے ہی نہیں
ہاتھ سے لیتے ہی قاصد کے جلا دیتے ہیں

ولہ

بے سنے شعبدہ اک ایسا لگا دیتے ہیں
بات جو یاد بھی آتی ہے بھلا دیتے ہیں

اپنے گھر کا وہ کسے صاف پتا دیتے ہیں
غیر کے گھر کو وہ گھر اپنا بنا دیتے ہیں

کوئی اس راہ سے گھبرا کے گیا ہے بیشک[3]
یہ نشاں آپ کے نقش کف پا دیتے ہیں

ہاتھ اوٹھا کر وہ سوئے چرخ خدا جانے مجھے
کوستے ہیں کہ شب و روز دعا دیتے ہیں

جب گذرتے ہیں وہ کوچے سے ہمارے شب کو
نقش پا غیر وہیں آکے مٹا دیتے ہیں

وہیں ہوجاتی ہے بیمار محبت کو شفا
نام جس وقت ترا اوسکے بتا دیتے ہیں

وصل میں بھی وہی ہوتی ہیں ستم کی باتیں
چھیڑ کر ذکر عدو آگ لگا دیتے ہیں

دل بھی رہتا نہیں قابو میں ہمارے یارب
ڈبڈبا کر وہ اوسے ایسا پڑھا دیتے ہیں

میں نے کب کس سے کہاں راز محبت کھولا
آپ کیوں جھوٹ میرا نام لگا دیتے ہیں

لیکے دل اون سے وفادار کہاں رہتا
شیوۂ خاص وہ اپنا ہی سکھا دیتے ہیں

خط میں عنوان کی جا لکھتا ہوں حب کا تعویذ
جیب سے قاصد کے وہ خط جلا دیتے ہیں

جب طلب کرتا ہوں دل اون سے تو کہتے ہیں مجھے
ایسے رہنے دو نہیں اور منگا دیتے ہیں

نام تک اب نہیں لیتے میرا اللہ اللہ
کوئی پوچھے تو اشارہ سے بتا دیتے ہیں

مئے کے پینے سے جب انکار ذرا کرتا ہوں
ڈال کر ہاتھ گلے میں وہ پلا دیتے ہیں

نہیں کہتے نہیں کہتے سبب عشق رقیب
جی سے کچھ جوڑ کے وہ بات بنا دیتے ہیں

آتش شوق بھڑکتی ہے زیادہ اس سے
آپ ناحق مجھے دامن کی ہوا دیتے ہیں

کیا مزہ ملتا ہے لوگوں کو نہ معلوم رحیم
یہ اودھر کی جو ادھر لوگ لگا دیتے ہیں

گلشن داغ ۔ اگست ۱۸۹۰ء

۲۔ رام نرائن ۔ حیران

حالات و تلمذ

---

[1] یہ بیاض یادداشت مولینا حسنی اجمیریؒ نے تذکرہ شعرائے اجمیر کے لیے تحریر کی تھی۔

[2] گلشن داغ و پیام یار کے لیے گلشن داغ

۱۹۶۶ء
[3] گلشن داغ کے لیے ملاحظہ کیجئے میرا مضمون گلشن داغ مطبوعہ ہماری زبان یکم جنوری
اور رشید حسن خاں کا مراسلہ گلشن داغ مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ مارچ ۱۹۶۶ء

[3] ۔۔۔۔۔۔ کا مشہور شعر ہے

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" بابو رام نرائن حیراںؔ، شاگرد داغؔ، آڈٹ آفس میں ملازم تھے۔ حکیم بہاؤ الدین خاں بہارؔ سے طب بھی پڑھی تھی۔ برسوں اجمیر میں مقیم رہے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد دہلی چلے گئے تھے مگر اکثر اجمیر آتے جاتے رہتے تھے ۶۴-۶۵ برس کی عمر میں دہلی میں وفات پائی۔

اور "گلشن داغ" اگست ۱۸۹۰ء میں لکھا ہے

" جناب رام نرائن صاحب حیراںؔ۔ کلرک آڈٹ آفس اجمیر تلمیذ حضرت داغؔ مدظلہ "

نمونۂ کلام

تیرے آنے کی خبر دل کو سنا دیتے ہیں
اس کی تسکین کو اک بات بنا دیتے ہیں
صفحۂ دہر پہ کچھ حرفِ غلط تو ہیں نہیں
نام لکھ لکھ کے میرا کیوں وہ مٹا دیتے ہیں
کشتۂ ناز بھی تیرے ہیں غضب کے عیار
روز مرنے کی خبر اپنے اڑا دیتے ہیں
سخت ناداں ہیں جو معشوقوں سے رکھے امید
یہ وہ گل ہی نہیں جو بوئے وفا دیتے ہیں
دادرِ حشر تو محشر میں سنے گا فریاد
تم سنو یا نہ سنو ہم تو سنا دیتے ہیں
خلوتیں ہم سے بھی ہوتی تھیں کبھی وہ دن تھے
یہ بھی دن آگئے محفل سے اٹھا دیتے ہیں

" گلشن داغ ــــــــ اگست ۱۸۹۰ء "

۳ ـ غلام رسول خاں بیچینؔ

حالات

مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ تحریر فرماتے ہیں۔

(منشی) غلام رسول خاں بیچینؔ۔ اجمیر کے قدیم باشندگان میں سے تھے۔ داغؔ دہلوی سے شرفِ تلمذ تھا۔ اجمیر میونسپل میں سررشتہ دار تھے۔ اجمیر کی ڈرے پران کا آبائی مکان تھا

نمونۂ کلام

نہ آیا ہائے وہ ہر چند انتظار کیا
قرار کرکے مجھے اور بے قرار کیا
گراہی جاتا ہے سر آج اور کل قدموں پر
سنا ہے جب کہ خنجر کو آبدار کیا
تمام داغِ دلِ سوختہ بھڑک اٹھے
جبھی چراغ کو روشن سر مزار کیا
جو آیا ہوتا کبھی وہ تو کچھ یقیں کرتا
نہ جانے کیوں دل شیدا نے اعتبار کیا
اشارے بزم میں دیکھے جو غیر سے اس کے
میری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا
نہ آیا چین ادھر قتل پر بھی اسے بیچینؔ
مرنے پہ لاش کو ظالم نے سنگسار کیا

" نازِ عشاق " نومبر ۱۸۸۴ء

مجھے "تذکرہ شعرائے اجمیر" کے لیے مذکورہ شعراء کے (کسی قدر) حالات اور نمونہ کلام کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی واقف حال مطلع فرمائے، تو کرم ہو گا۔

ــ ناز عشاق۔

باقی صفحہ ۹ سے آگے

چاہیں گے تو میں ڈیڑھ سو منظوم ڈراموں کے نام گنوا دوں گا۔ ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں۔ "اگر نامی صاحب کے نزدیک ڈراما نثر ہی میں ہو سکتا ہے تو پھر دور جدید کے بہت سے شہ پاروں کو کن خانوں میں رکھا جائے گا۔ ممکن ہے کہ یہ نظریہ ڈاکٹر عقیل صاحب کا اپنا ہو جو انھوں نے میرے سر تھوپ دیا ہے یا زبردستی تھوپنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اپنا نظریہ اردو تھیٹر جلد اول صفحہ ۲۹ پر پیش کرتے ہوئے اردو ڈرامے کو مندرجہ صفات اور واضح حصوں میں تقسیم کیا ہے ۱ منظوم ڈرامے ۲ ملکوتی ڈرامے ۳ طلسماتی ڈرامے ۴ مذہبی ڈرامے ۵ تاریخی ڈرامے ۶ معاشرتی ڈرامے ۷ سیاسی ڈرامے ۸ اصلاحی ڈرامے ۹ تبلیغی ڈرامے ۱۰ مزاحیہ ڈرامے اور ۱۱ مختصر ڈرامے اور ہر ڈرامے کی تشریح کئی کئی صفحات میں کی ہے مثال کے طور پر منظوم ڈرامے کو لیجیے جس کی تشریح میں میں نے ۲ صفحات صرف کیے ہیں۔

ــ۱ " بیاض یادداشت " مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ

ــ۲ بہارؔ کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون۔ داغ کے شاگرد حکیم بہاؤ الدین خاں بہارؔ اجمیری۔ مطبوعہ "ہماری زبان" ۸ جولائی ۱۹۶۶ء۔

ــ۳ " بیاض یادداشت " مولینا خواجہ معنی اجمیریؒ۔

ــ۴ " نازِ عشاق " اجمیر

ــ۵ اجمیر کے ایک محلہ کا نام۔ جہاں تقسیم ملک سے پہلے مسلمان آباد تھے۔

مراسلات

امانت کی اندرسبھا

مندرجہ بالا عنوان سے ڈاکٹر سید محمد عقیل کا طویل مراسلہ ہماری زبان علی گڑھ مورخہ یکم و ۸ رجولائی ۹۱ء نظر سے گزرا۔ اس مراسلے میں اگر میرا ذکر نہ ہوتا تو میں اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتا کیونکہ اس جمہوری دور میں ہر شخص کو خیالات پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔ قبول کرنا یا رد کرنا صاحبان عقل و دانش اور محققین کا کام ہے۔

ڈاکٹر عقیل صاحب نے بڑی چابکدستی سے پروفیسر مسعود حسن رضوی کے نظریات کی تردید انہی کے الفاظ میں کی ہے۔ پروفیسر رضوی کا نظریہ ہے۔

(۱) اردو کا پہلا ڈراما واجد علی شاہ نے لکھا اور کھیلا"

(۲) اردو ڈرامے کے لیے پہلا تھیٹر تعمیر کرنے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔"

ان نظریات کو رد کرتے ہوئے ڈاکٹر عقیل لکھتے ہیں،

(الف) واجد علی شاہ اختر سے پہلے شاہی ڈرامے کی روایات نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں ملتی ہیں۔

(ب) اس سے پہلے بھی نواب سعادت علی خاں کے دور میں رہس کھیلے جاتے تھے۔

(ج) محمد قلی قطب شاہ سے لے کر آسیخ تک اور ان کے بعد بھی سیکڑوں اشعار موجود ہیں جن میں راجہ اندر اور ان کے اکھاڑے کا تذکرہ ہے۔

(د) دیا شنکر نسیم نے گلزار نسیم میں پوری اندرسبھا پیش کر دی ہے۔"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اندرسبھائیں واجد علی شاہ کے زمانہ سے بہت پہلے عام طور پر کھیلی جاتی تھیں۔ نواب، رئیس، تعلقدار، زمیندار، ضلع دار اپنی حویلیوں اور بارہ دریوں میں کھیلتے تھے۔ غریب اور مفلس کھلے میدانوں اور سڑکوں گلیوں میں۔ جب لکھنے کا سوال ہی نہ ہو تو واجد علی شاہ کے اندرسبھا کھیلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پروفیسر رضوی کا خیال ہے کہ واجد علی شاہ کی اندرسبھا دیکھ کر امانت نے اپنی اندرسبھا لکھی۔ یہ نظریہ بھی ڈاکٹر عقیل نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ جو دلائل امانت کے لیے ہیں وہ ہی واجد علی شاہ کے لیے۔ عقیل صاحب لکھتے ہیں،

(الف) اندرسبھا کا نام امانت کا اپنا رکھا ہوا نہیں ہے۔

(ب) اندرسبھا امانت کے ذہن کی پیداوار نہیں ہے۔

(ج) اندرسبھا کے کردار امانت کے تخلیق کئے ہوئے نہیں ہیں۔

(د) اندرسبھا کا قصہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے۔

(ہ) اندرسبھا کو لوگوں نے معمولی کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

پروفیسر رضوی کا تیسرا نظریہ یہ ہے "اردو ڈرامے کے لیے پہلا تھیٹر تعمیر کرنے کا سہرا بھی انہی (واجد علی شاہ) کے سر ہے۔"

یہ نظریہ بھی غلط ہے۔ پرتگالیوں، ڈچ، انگریزوں اور فرانسیسیوں میں سے کسی نے بھی لکھنؤ کیا پورے اودھ میں کوئی تھیٹر تعمیر نہیں کیا۔ واجد علی شاہی دور کے کسی مصنف کی کسی عبارت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ لکھنؤ میں کبھی بھی تھیٹر تعمیر ہوا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ واجد علی شاہ نے کسی چبوترے کا نام "رہس منزل" رکھ دیا ہو کیونکہ جو شخص چوک کی رنڈیوں منڈیوں کو جلیل القدر خطابات سے نواز سکتا ہے وہ دو کوڑی کی چیز کو بھی بام فلک تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر عقیل نے پروفیسر رضوی کے دعووں کو غلط ثابت کرنے کے بعد میری طرف بھی توجہ فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

"ڈاکٹر نامی نے ڈراموں کے نام اور تفصیلات کہاں سے اکٹھا کیں۔ اگر ان کے حوالے مکمل اقتباسات کے ساتھ ہوتے تو بہتر ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے" جواباً عرض ہے کہ "اردو تھیٹر" کے تعارف (جلد اول) میں میں نے جس قدر حوالے ضروری سمجھے وہ دیدئے۔ اگر ان کو مزید معلومات کی ضرورت ہو تو وہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۵ء تک کے (۱) بمبئی کوریر (۲) بمبئی ٹائمس (۳) بمبئی گزٹ اور (۴) بمبئی کرانیکل سے حاصل کر سکتے ہیں جو ان کو بمبئی آرکائیوز میں مل جائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ میں اندرسبھا کو رہس کہنے پر مصر ہوں کہ حضرت یہ بات نہیں ہے۔ میں ہر اس چیز کو جو اسٹیج پر پیش کی جائے ڈراما سمجھتا ہوں خواہ وہ راس لیلا ہو یا رام لیلا۔ رہس ہو یا نوٹنکی لیکن جب ڈرامہ کی ہر صنف اپنی خاص خصوصیت کی بنا پر ایک خاص نام سے یاد کی جاتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس کو اسی نام سے یاد کیا جائے۔ رام لیلا کو رام لیلا اور رہس کو رہس کہنے میں کیا حرج ہے۔ ہر متمدن زبان خاص کر انگریزی ادب میں جس کا ہم سے زیادہ اور قریبی تعلق ہے ڈرامہ کی ہر صنف کے لیے ایک خاص نام مقرر ہے جس کے لیتے ہی اس کی صفات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں مثلاً

COMEDY, INTERLUDE, MELO, MIRACLE, MORALITIES, PASTORAL, POETIC, OPERATIC, TRAGEDY,

آپ میلو ڈراما یا مریکل پلے کا نام لیجئے۔ سننے والا فوراً آپ کا مقصد سمجھ جائے گا۔

ڈاکٹر عقیل صاحب لکھتے ہیں "نامی صاحب نے منظوم نمونوں کو ڈراموں کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔" میں ڈاکٹر صاحب کی توجہ "اردو تھیٹر" کی جلد اول کے صفحہ ۲۷۵ کی طرف مبذول کراؤں گا جس کا عنوان ہے "منظوم ڈرامے" میں نے اردو میں منظوم ڈراموں کی تدریجی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے صفحہ ۲۷۶ پر لکھا ہے "جو نئی کمپنی بنی تھی وہ منظوم ڈرامے ضرور دکھلاتی تھی۔" اس کے بعد میں نے پچیس منظوم ڈراموں کے نام گنوائے ہیں۔ یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے۔ آج اگر ڈاکٹر صاحب (باقی صفحہ ۸ پر)

اردو کو مدھیہ پردیش میں ثانوی زبان تسلیم کیا جائے

اوجین کے اردو اداروں کی جد و جہد

اوجین مدھیہ پردیش میں اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے تمام اردو اداروں کا ایک مشترکہ اجلاس مجلس مشاورت کی جانب سے طلب کیا گیا تھا۔ اس میں طے کیا گیا ہے کہ اردو کو مدھیہ پردیش میں ثانوی زبان کا درجہ ملنا چاہیے۔ تناسب آبادی کے لحاظ سے اردو والوں کا یہ دستوری حق ہے ملک کے آئین نے اس کی ضمانت دی ہے اور صدر جمہوریہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسی ریاست میں جہاں اردو والوں کی تعداد دستور میں دیئے تناسب کے مطابق موجود ہو وہاں اردو کو ثانوی زبان بنانے کا آرڈیننس جاری کرکے اس پر عمل کرائیں۔ اجلاس میں جس کی صدارت مولانا عبدالہادی فرما رہے تھے اتفاق رائے سے تمام اردو جماعتوں کے نمائندوں نے طے کیا ہے کہ اس مطالبہ کی حمایت میں ریاست گیر تحریک شروع کی جائے گی اور اردو کے مسئلہ پر تمام جماعتیں متحد ہو کر کام کریں گی۔

اس موقع پر حضرت مولانا مسعود احمد صدیقی نے بھی نہایت بصیرت افروز حقائق پر مبنی خیالات کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے بغیر قربانی دیئے کام نہیں چلے گا۔ برسر اقتدار لوگ زبان و ادب کے لیے بھی نا انصافی اور تنگ نظری اور مصلحت اندیشی کے نام پر اردو دشمنی پر اترے ہوئے ہیں۔

جمہوریت میں اجتماعی طاقت ہی اصل طاقت ہے آپ سب متحد ہو کر سرگرم ہو جائیے اردو کو اس کا جائز حق مل جائے گا۔

ہوشنگ آبادی سے اردو والوں کو بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ مسلم یوتھ کانگریس کے جناب حبیب نور نے کہا کہ اردو کے لیے ہم ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہیں پر امن ستیہ گرہ۔ بھوک ہڑتال وغیرہ کے لیے بھی ہمارا گروپ تیار ہو چکا ہے انجمن ترقی اردو کے سلطان احمد صدیقی بزم ادب کے محمود زکی۔ بیت المال کمیٹی کے محمد یعقوب۔ جمعیۃ علماء کے عبدالرشید خاکسار جماعت کے سالار عبدالجبار نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے۔

جو تجاویز پاس کی گئیں انھیں تمام اداروں کے نمائندوں پر مشتمل عمل میں لانے عام انتخابات اور ریاست میں ہونے والے دوسرے انتخابات کی ووٹر لسٹ اردو میں بھی شائع کرنے کا مطالبہ اوجین میں ایک ہائر سکنڈری دو مڈل اور پانچ پرائمری اردو اسکول قائم کرنے کی مانگ شامل ہے۔ (افکار)

دلی پولیس کا ریکارڈ اور اردو

نئی دلی ۳۰ نومبر آج لوک سبھا میں ایک سوال کے جواب میں وزیر داخلہ کی طرف سے بتایا گیا کہ دلی میں پولیس چوکیوں اور تھانوں وغیرہ میں ریکارڈ اردو میں رکھے جاتے ہیں تاہم اگر کوئی ان کی ہندی نقل چاہتا ہے تو وہ دے دی جاتی ہے انھوں نے بتایا کہ اب تک فارم رجسٹر وغیرہ اردو میں ہیں لیکن آئندہ یہ ہندی میں چھپوائے جا رہے ہیں۔ (الجمعیۃ)

اردو کو علاقائی زبان کا درجہ دیا جائے، سوشلسٹ پارٹی کا مطالبہ

لکھنؤ ۱۲ر نومبر۔ چندر بلی سنگھ ایم ایل اے کی قیادت میں قائم شدہ سوشلسٹ پارٹی کی مجلس عاملہ کے جلسہ میں کئی تجاویز منظور کی گئیں جن میں سے ایک کے ذریعہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی اور دوسری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ (ریاست)

جھریا میں اردو کانفرنس کی تیاریاں شروع

جھریا۔ اردو کانفرنس کے انعقاد کے لیے ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلد از جلد رائے عامہ کو ہموار کرکے اردو کانفرنس کی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ اس سلسلہ میں جناب مولانا محمد قاسم ندوی چمپارنی اور مجلس استقبالیہ نے یہ اپیل کی ہے۔

اردو ہندوستان کے کروڑوں انسانوں کی مادری زبان ہے اس سے ہندو مسلم بلا تفریق مذہب و ذات محبت کرتے آئے ہیں مگر افسوس ہے کہ اب تک اس ملک میں اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر ہم لوگوں نے دسمبر ۶۶ء کے دوسرے ہفتہ میں ایک اردو کانفرنس جھریا میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سرکردہ اردو دوستوں کے علاوہ وزیر اعظم، وزیر تعلیم ہند، وزیر اعلیٰ بہار کے نام بھی دعوت نامے جاری کئے گئے ہیں۔ جھریا دھنباد وغیرہ کے اردو دوستوں سے اپیل کی جاتی ہے وہ اس میں تعاون فرمائیں۔ (دعوت)

ہسوا ضلع گیا میں یوم اردو کا جلسہ

ہسوا ۱۴ر نومبر انجمن ترقی اردو ہند کے اعلان کے مطابق ہسوا میں بھی پبلک اردو لائبریری کی طرف سے یوم اردو شاندار طریقے سے منایا گیا جس میں ہر نقطہ نظر کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اس جلسہ کی صدارت جناب سید فصاحت علی خاں کر رہے تھے۔ جناب فصیح احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ اردو ہندی کو بیدخل کرنا نہیں چاہتی وہ صرف جینے کا حق مانگتی ہے جناب ٹھاکر پرشاد برنوال نے اپنی تقریر میں اردو کو ثانوی علاقائی زبان قرار دینے کی پر زور حمایت کی جگدیش پرشاد جین نے بھی اردو کا حق تسلیم کرنے پر زور دیا۔ آخر میں جلسہ نے چند قرار دادیں منظور کیں جن میں اردو کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے پر حکومت کو متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (دعوت)

انجمن ترقی اردو بھاگلپور کے وفد کی وائس چانسلر سے ملاقات

بھاگلپور انجمن ترقی اردو بھاگلپور کا ایک وفد بھاگلپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے جناب آنند موہن سنہا سابق سفیر ہند کی قیادت میں ملا وفد میں ڈاکٹر محمد یونس صاحب صدر انجمن مولانا اشرف عالم ندوی جنرل سکریٹری انجمن سی۔ پی۔ سند کلیر صاحب ایڈوکیٹ آئی ایس بابا

صاحب سکریٹری صاحب تونس بورڈ عبدالمجیب صاحب ایڈوکیٹ مولانا غلام حسین صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علما بھاگلپور بابو منصور خاں صاحب ایڈوکیٹ مولانا حکیم فدا حسین صاحب مہتمم جامعہ محمدیہ حرمیہ شاہ جنگی سکریٹری شاخ بھاگلپور محمد قمر الحسن جوائنٹ سکریٹری انجمن و مدرس مدرسہ شاہ جنگی شریک تھے۔ وفد نے میمورنڈم پیش کرتے ہوئے متعلقہ مسائل پر کھل کر تبادلۂ خیال کیا بالخصوص بی اے میں اردو کلاس اور ایم۔ اے میں اردو آنرز کی تعلیم کے لیے کلاس کھولنے کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ وائس چانسلر صاحب نے وفد کی تمام باتوں کو غور سے سنا اور فرمایا کہ اردو ایک ترقی یافتہ زبان ہے ہماری خواہش ہے کہ اس کی تعلیم کا انتظام ضرور کیا جائے لیکن سردست ہمارے لیے سب سے بڑی دشواری فنڈ کی ہے۔

یونیورسٹی کی موجودہ پوزیشن مزید کسی بھی زبان میں تعلیم کے لیے کلاسز قائم کرنے کی مجھ کو اجازت نہیں دیتی ہے البتہ اگر آپ کی کوششوں یا دیگر ذرائع سے گورنمنٹ مجھے فنڈ مہیا کرے گی تو ہم کو ایسے کلاسز کے افتتاح پر کسی طرح کا اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ ہماری تمنا کی تکمیل ہوگی۔

آخر میں جب موصوف کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ کم از کم سردست پرائیوٹ امتحان کی اجازت دیدی جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بتایا کہ پرچوں میں کیا دشواریاں ہیں اس کا جائزہ لے کر عنقریب آپ کو آگاہ کروں گا اگر الجھن کو میں دور کر سکا تو ضرور دور کردوں گا ورنہ اس مسئلہ کو کونسل میں لانے کی کوشش کروں گا وفد نے موصوف کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے اپیل کی کہ ہم آپ سے ایسی ہی توقع رکھتے ہیں اور یہ کہ جناب اس مسئلہ پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں تاکہ اردو داں طبقہ کی شکایتیں اور پریشانیاں دور ہو جائیں۔

انجمن کی طرف سے آئندہ موہن سنہا صاحب گورنر صاحب سے مل کر فنڈ کے مسئلہ پر گفتگو فرمائیں گے۔ (سکریٹری انجمن ترقی اردو بھاگلپور)

ریسرچ ایسوسی ایشن شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا جلسہ

۱۸ر نومبر ۱۹۶۶ء کی سہ پہر کو اردو ریسرچ ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ ہوا جس کا افتتاح عالی جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب پرو وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے فرمایا۔

پروفیسر آل احمد سرور صدر شعبۂ اردو نے اپنی تمہیدی تقریر میں ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے یہ حلقہ اس غرض سے قائم کیا ہے کہ شعبۂ اردو کے اساتذہ اور ریسرچ کے طلبا اپنے علمی اور تحقیقی مقالے پیش کریں تاکہ ان پر بحث و مباحثہ ہو اس طرح کا کام کرنے والوں کی ہمت افزائی بھی ہوگی اور تنقید و تبصرے کی روشنی میں لکھنے والے اپنے مقالات کو زیادہ سے زیادہ معیاری اور جامع بنا سکیں گے ۱۹۴۷ء کے بعد تحقیق کی طرف ہمارے یہاں خاص طور پر توجہ کی گئی ہے اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بعض اہم موضوعات سے متعلق قابل قدر مواد جمع ہو گیا ہے لیکن اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عام طور پر معیار کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ اور ریسرچ کے طلبہ اس طرف خاص توجہ دیں اور اسی مقصد سے ہم نے یہ ایسوسی ایشن قائم کی ہے۔

عالی جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں ایسوسی ایشن کے قیام پر اپنی مسرت کا اظہار کیا اور اسے ایک مبارک اقدام سے تعبیر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ دوسرے شعبے بھی اس طرح کی ایسوسی ایشن قائم کریں۔ آج کل تحقیق کا بہت زور ہے یہ اچھی بات ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ ہم کیوں تحقیق کر رہے ہیں اور جس موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں وہ اہم اور نتیجہ خیز ہے یا نہیں دراصل تحقیق کے لیے تنقیدی شعور کی بے حد ضرورت ہے۔ ہم عام طور پر غیر معروف ادیبوں اور شاعروں پر تحقیق کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ تصور نہیں ہوتا کہ ان پر وقت صرف کرنے سے ادبی تاریخ یا ادبی تنقید کے سلسلے میں کیا اضافہ ہو سکتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ غیر اہم اور غیر معروف مصنفین پر اس وقت توجہ ہونی چاہیے جب اہم اور بڑے مصنفین پر کافی کام ہو چکا ہو ہمارے یہاں ابھی تک بڑے بڑے شعراء کے دواوین کی تدوین نہیں ہو سکی ہے اور نہ ان کے حالات کی پوری چھان بین ہو سکتی ہے اس لیے انھیں نظر انداز کر کے چھوٹے چھوٹے شعراء کے دواوین کو مرتب کرنا یا ان پر مواد جمع کرنا کچھ زیادہ سود مند نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ریسرچ کرنے والوں کو اردو کے علاوہ فارسی، انگریزی، ہندی ادب سے بھی اچھی طرح واقف ہونا چاہیے۔

پرو وائس چانسلر صاحب کی تقریر کے بعد پروگرام کے مطابق کنور اخلاق محمد خاں شہریار لکچرر شعبۂ اردو نے اپنا تحقیقی مقالہ "مشرقی معیار نقد اور قدیم اردو تنقید" پڑھ کر سنایا۔ یہ مقالہ دراصل ان کے تحقیقی مقالے کا تمہیدی باب ہے جس کا عنوان ہے "اردو تنقید پر مغربی تنقید کے اثرات: انیسویں صدی میں"۔ اس مقالے میں عربی اور فارسی کے اصول نقد کا جائزہ لیتے ہوئے قدیم اردو تنقید پر اس کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

مقالے کے متعلق مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر خورشید الاسلام، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر قاضی عبدالستار، نادر علی خاں، انجمن آرا انجم وغیرہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے ساری بحث کا جائزہ لیتے ہوئے بعض باتوں کی وضاحت کی۔

(عبدالغفار شکیل سکریٹری)

تبصرے

شہ پارے

وادیٔ خیال۔ شہاب اشرف

قیمت:۔ دو روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ:۔ شمع بک ڈپو، آصف علی روڈ، نئی دہلی

شہاب اشرف مشہور غزل گو شاعر ہیں۔ زیر تبصرہ مجموعہ میں غزلوں کے علاوہ چند نظمیں اور کچھ قطعات بھی شامل ہیں لیکن شہاب اشرف کے شعری مزاج کی صحیح نمائندگی ان کی غزلیں ہی کرتی ہیں۔ فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری صاحب نے دیباچوں میں شہاب اشرف کی شاعری کی جن خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے ان سے شہاب اشرف صاحب کی شاعری کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ فراق صاحب اور نیاز صاحب نے اپنی محبوب تنقیدی اصطلاحات کو اپنے مخصوص مبہم انداز میں کچھ اس طرح شہاب صاحب کی شاعری پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ گنگناتی ہوئی لَے، دبی ہوئی ٹیس، ایک چوٹ، ایک تھرتھراہٹ وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو فراق صاحب کے ہر شاعر کے کلام میں نظر آسکتی ہیں اسی طرح درد کی لَے، دل کی مسوس، لطیف تاثرات، افتادگی و سپردگی، مایوسانہ صبر و ضبط وغیرہ نیاز صاحب کی وہ تنقیدی اصطلاحات ہیں جن کا نحوی ترکیب استعمال شاید نیاز صاحب کو ہی معلوم ہے بظاہر کسی تبصرہ میں اس قسم کی باتیں غیر ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن فراق، نیاز اور اسی قبیل کے بعض دوسرے نقادوں کے اثر سے ہمارے یہاں ایسی تنقید وجود میں آرہی ہے جس میں صاف اور واضح بات نہیں ملتی اور ایک ایسی زبان استعمال ہوتی ہے جو کسی کے لیے کام دے جاتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان مبہم اصطلاحات کی معنویت پر غور کیا جائے۔

شہاب اشرف صاحب کی شاعری میں جو چیز سب سے زیادہ قابل توجہ ہے وہ ان کے جذبے اور احساس کی شدت ہے۔ احساس اور جذبے کی شدت بعض اوقات ہیجان میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن شہاب اشرف نے اپنے جذبات اور احساسات کی تربیت اور تہذیب اور زبان و بیان کے صحیح ادراک سے اپنی شاعری کو بڑی حد تک اس عیب سے بچائے رکھا ہے۔ صنف غزل کی یہ خوبی یا خامی ہے کہ اس کے سانچے میں ڈھلنے کے بعد انفرادی احساس و جذبہ پر بھی عمومی جذبہ اور احساس کا گمان گذرتا ہے۔ یہ صنفی خوبی یا خامی شہاب اشرف کی غزلوں میں بھی ملتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے شہاب اشرف اپنی انفرادیت کو پانے میں کامیاب ہوں گے۔ یہ چند اشعار دیکھیے

اتنا بھی نہ یاد آئے کوئی ہر سانس پیام ہو گئی ہے

چھوڑا نہ تیری یاد نے اک لمحہ دل کا ساتھ ہم تجھ سے بے خبر رہے یہ اور بات ہے

اے گردش ایام ذرا دیر ٹھہر بھی نظروں سے چھپی جاتی ہے وہ راہ گزر بھی

دل پہ اک بوجھ لیے پھرتے ہیں ایسے شہاب جیسے دنیا میں کوئی اپنا شناسا ہی نہیں

ذوقِ جمال (مجموعہ کلام) عنوان چشتی

قیمت:۔ تین روپے۔ ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی

عنوان چشتی صاحب بقول خود ان کے تقریباً تیس سال سے شعر کہہ رہے ہیں لیکن میں نے ان کا بہت کم کلام رسائل میں دیکھا ہے اور شاید مشاعروں میں بھی وہ شریک نہیں ہوتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عنوان صاحب نام و نمود سے بے نیاز ہیں اور شاعری ان کے لیے قلبی اور ذہنی واردات کے اظہار کا ذریعہ ہے جس کے لیے انھوں نے غزل کے پیرایہ کو اختیار کیا ہے۔ غزل نیم وحشی نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی مہذب صنف سخن ہے۔ کروچے نے شاعری میں اظہار کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ شاعر اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے جو میڈیم اختیار کرتا ہے وہ زبان ہے اور زبان کی سماجی بنا ہے اس لیے جب شاعر اپنے انفرادی جذبہ یا احساس کو اس کے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچاتا ہے تو اسے اپنے تخلیقی تجربے اور زبان کے درمیان ایک طرح کی مفاہمت کرنی پڑتی ہے اور اس طرح جو کچھ وہ کہتا ہے وہ یا تو اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے یا کچھ کم جو اس کا حقیقی مقصود تھا۔ غزل کے شعر پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔ غزل کی شاعری بغیر مفاہمت کے وجود میں نہیں آسکتی اور بعض اوقات یہ مفاہمت کی مقدار اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اصل تجربے کا سراغ تک نہیں ملتا لیکن داخلی تجربات کے اظہار کے لیے غزل اب بھی زیادہ موزوں صنف سخن ہے۔

عنوان چشتی صاحب کی شاعری کے موضوعات وہ داخلی تجربات ہیں جن کا تعلق عشق اور اس کے متعلقات سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان تجربات کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ نہیں ایمائیت اور اختصار کے ساتھ ہی پیش کرنا مناسب تھا۔ عنوان صاحب بڑی حد تک اس میں کامیاب ہیں۔ خاص طور سے ان کی وہ غزلیں جو ان کے زیر تبصرہ مجموعہ کے شروع میں شامل ہیں صاف، شگفتہ اور مترنم ہیں اور اپنے سوز و ساز اور وارفتگی سے متاثر کرتی ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

اے بادِ صبا تو چھو کے گیسو خوشبو کی سفیر ہو گئی ہے

اف یہ تنہائی دل کا عالم زندگی ایک خلا ہو جیسے

تیری بکھری ہوئی زلفوں پہ انداز حسیں جانے کیا چیز نسیم سحری مانگے ہے

یوں چراتا ہوں گلوں سے نظریں چھپ کے وہ دیکھ رہا ہو جیسے

کسی نے ترا نام لے کے آوازہ بکھر گیا مری تنہائیوں کا شیرازہ

آخر میں پڑھنے والوں کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ دیباچہ پڑھنے سے پہلے کلام پڑھیں پھر دیباچے کے متعلق بھی وہ بہتر رائے قائم کر سکیں گے۔ ضروری نہیں کہ شاعر اپنی شاعری کا خود اچھا ناقد بھی ہو۔

"ہماری زبان"

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر ... نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا